مغرب میں عورت کی آزادی اور مساوات

Women's freedom and equality in the west

بشریٰ جبیں*
ڈاکٹر سمیہ رفیق**

Abstract

This article identifies women freedom and gender equality in West. A comparative study of women's rights in Islam and West is the need of the hour to determine the best way out for women's right. The article covers Islamic texts talk about gender equality in the main sources of Islam. This article features what Islam – through the Quran and the Hadith – in fact prescribes in regard to gender equality and women's human rights.

West, which professes to be the standard-bearer of women's right, but women of west had no status until a couple of decades ago. The philosophy of equality was developed after industrial revolution when women confronted disparities in employments and compensation in western society; at first they brought their voice up in economic sector and afterward expanded this philosophy of equality in other fields of life. Western philosophy of equality demands social and economic uniformity for a woman out of the spirit of democracy ،free sex and no marriage. The fundamental concepts of rights in West and Islam are similar to some extents, these includes the right to education, the right to employment, the right to vote and their right to have and express their own opinions but Islam's rules always accord with nature of man and woman and take into consideration their inherent differences, on other hand Western equality promoted promiscuous society which resulted perilous consequences on society.

Islam from its very inception has given more than the West is demanding for a woman today and it is still flexible to adjust woman in society with the changing time and needs. Islam says that both the genders will be equally rewarded for their good deeds inside their separate fields assigned to them according to their biological difference. The fundamental values of Islam arguably promote and honor the position of women in society and have guaranteed men and women their human rights and duties as individuals in an equal degree.

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

آزادی کی اہمیت

ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے، کہ وہ آزاد رہے ،اور اس کی آزادی کو کوئی چیلنج کرنے والا نہ ہو، اسی فطری جذبہ کا احترام کرتے ہوئے اسلام نے انسان کو مکمل طور پر آزادی دی ہے۔ آزادی کی اہمیت کا صحیح تجربہ وہی کر سکتا ہے ،جو آزاد فضا میں زندگی گزارنے کے بعد غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو۔ اسی لیے اسلام نے آزادی کو نعمت قرار دیا۔ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا ،اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ اسلام نے یہ اعلان کیا ، کہ حق طاقت نہیں ،بلکہ خود حق ہے، اور اللہ کے علاوہ کسی کے لئے مناسب نہیں ، کہ وہ اس کے غلاموں کو اپنا تابع اور غلام بنائے۔ شریعت اسلامیہ نے انسان کو عام کاموں میں پوری آزادی دی، یعنی حلال چیزوں میں جو چاہے کھائے، جو چاہے پہنے، جہاں چاہے جائے، جو کام چاہے اپنائے، جو چاہے خریدے اور جو چاہے بیچے۔ اس آزادی میں عورت اور مرد برابر ہیں، شادی بیاہ میں بھی مرد اور عورت آزاد ہیں، جس سے چاہیں شادی کریں ، یہاں تک کہ کسی لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کی شادی بھی نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح ہر قسم کی سائنسی تحقیق کی آزادی ہے، کہ جس چیز کی چاہے تحقیق کرے۔ اسلام نے انسان کو آزادی ضرور دی ہے مگر اس آزادی کو اللہ اور اس کے احکامات کے تابع کر دیا ہے، بالکل آزاد نہیں چھوڑا ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے :''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ''[1]

"اور دیکھو کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی معاملے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑے گا۔"

اس لیے اللہ اور اس کے رسول نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا، انہیں کرنا، اور جن کاموں سے روک دیا، ان سے رک جانا ہی آزادی کا صحیح استعمال ہے۔ اللہ کی غلامی میں آجانے کے بعد ایک انسان ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام جب کسی ملک میں جاتے ،تو لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ہوئے کہتے تھے:"اللہ ابتعثنا لنخرج الناس من عبادة العباد إلى عبادة الله "[2]

"ہمیں اللہ نے اس لیے بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو انسان کی پوجا سے نجات دلا کر اللہ کی عبادت کی طرف

لائیں۔"

جب مصر کے گورنر عمرو بن عاصؓ کے بیٹے نے ایک شہری پر بغیر کسی وجہ ہاتھ اُٹھائی تو شہری نے اس وقت کے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اس کی شکایت کی، خلیفہ نے گورنر اور ان کے بیٹے کو مدینہ بلایا، پھر مصری سے کہا میرے سامنے تم گورنر کے بیٹے سے ویسے ہی بدلہ لے لو، جس طرح اس نے تمہاری پٹائی کی ہے۔پھر فرمایا:" متی استبعدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحراراً "[3]

"تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا، جب کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا۔"

دُنیا جب ترقی کے دور میں داخل ہوئی تو غلامی کی مختلف شکلیں ظاہر ہونے لگیں۔ اسلام دشمنوں نے آزادی کے نام پر غلامی کے بہت سارے طریقے عام کئے تا کہ لوگ ان کے خیالات سے متفق ہو جائیں پھر وہ جیسے چاہیں، لوگوں کو پھیرتے رہیں۔ اس طرح آزادی کے نام پر غلامی کا تصور کو پھیلایا جانے لگا۔

مقالہ تحقیق

مقالہ میں مغرب میں مساوات و مردوزن کا نظریہ اور اس کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ مغرب میں عورتوں کی حقوق کے لیے جدوجہد اور اس کے بعد آزادی اور مساوات کے نظریہ کے فروغ سے مغربی معاشرہ پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان پر روشنی ڈالتے ہوئے،اسلام میں مساوات مردوزن کا اسلامی تصور پیش کیا گیا ہے۔ اور آخر میں مساوات مردوزن کے اسلامی اور مغربی نظریے کا تقابلی جائزہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

مغرب میں مساوات و مردوزن کا نظریہ

خواتین کی مساوی حیثیت یا صنفی مساوات سے عام طور پر اس سے مراد مرد اور عورت کے درمیان یکسانیت ہوتی ہے۔ یعنی قدرت نے جن قابلیتوں اور صلاحیتوں سے مرد کو نوازا ہے، بعینہ انہی سے عورت کو بھی نوازا گیا ہے۔ مرد جو کچھ کر سکتا ہے، عورت بھی وہ سب کر سکتی ہے، اس لیے معاشرے میں عورت اور مرد کی سرگرمیوں کا دائرہ بھی ایک ہونا چاہیے۔

مغربی معاشرے میں مساوات اور صنف کے درمیان کشیدگی کی اصطلاح روایتی طور پر موجود ہے۔ جب کہ مساوات کا تصور بطور یکسانیت لیا جاتا ہے جس میں برابری ایک عام معیار ہے۔ مساوات کا نظریہ رکھنے

والوں کا تصور ہے کہ معاشرے میں صنف کی تقسیم جنسی بنیادوں پر کی گئی ہے۔نسوانیت کے افکار سے قبل صنف اور جنس ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔[4] کیوں کہ روایتی طور پر قدرتی جنسی تقسیم ہی صنف تصور کی جاتی تھی۔ عورت اور مرد قدرتی طور پر جنس کی دو اقسام ہیں۔ تمام انسان قدرتی طور پر نہ صرف جوڑے کی شکل میں بلکہ بے ترکیب بھی ہیں یعنی مرد کو اعلیٰ اور ارفع اور عورت کو کج رو اور ناقد سمجھا جاتا تھا۔ اس درجہ بندی کو دیکھتے ہوئے نظریہ مساوات کے حامیوں نے مساوات کی حوصلہ افزائی اور اہمیت کا پرچار شروع کیا تو کئی سوالات نے جنم لیا کہ کیا جنسی فرق ہی مختلف نظریات اور مساوات کی بنیاد ہے؟ اگر ایسا ہے تو عورت کے اس فرق کو غلط طور پر سمجھا گیا ہے۔ سادہ الفاظ میں کیا عورت جنسی فرق کے باوجود مرد کے مساوی معنی میں آتی ہے؟

صنفی مساوات کا مغربی تصور کیا ہے؟

"The state in which access to rights or opportunities is unaffected by gender"[5]

"صنفی یا جنسی مساوات سے مراد وہ حالت جس میں حقوق یا مواقع تک رسائی پر صنف یا جنس اثر انداز نہ ہو۔"

اٹھارویں صدی کے مفکرین مثلاً میری وولسٹون کرافٹ نے استدلال پیش کیا ہے کہ عام مساوات ہی تمام انسانوں کو برابر کرتی ہے۔ عورتیں بھی اُتنی ہی باصلاحیت ہیں جتنے کہ مرد لہٰذا وہ تمام حقوق میں برابری کی حق دار ہیں۔[6] اسی طرح جان سٹوّرٹ مِل John Stuart Mill کا استدلال ہے کہ خواتین کو معاشرے میں ذیلی درجہ عطاء کیا گیا ہے، اس لیے یہ جاننا ناممکن ہے کہ ان کی حقیقی نوعیت کیا ہو سکتی ہے لہٰذا یہ سمجھا جائے کہ عورت بھی مرد کی طرح اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کی خواہشمند ہے۔[7]

انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے مطابق صنفی مساوات سے مراد ہے کہ:

مساوات مرد وزن کا مفہوم برابر حقوق، برابر ذمہ داریاں اور برابر مواقع ہیں۔ خواتین اور مردوں کے حقوق، ذمہ داریوں اور مواقع کا انحصار اس پر نہیں کہ آیا وہ مرد پیدا ہوئے ہیں یا عورت[8]

ورلڈ اکنامک فورم کی جنسی مساوات سے متعلق پہلی رپورٹ 2006ء میں صنفی مساوات سے مراد معاشرے میں عورت کی معاشی اور سیاسی شمولیت ہے۔

"صنفی مساوات میں عالمی سطح پر بہتری خواتین کے لیے روزگار کے زیادہ مواقع ملنا اور اُن کی سیاست

میں شمولیت ہے"[9]

صنفی مساوات کا مطلب ہے کہ اپنی مکمل صلاحیت، انسانی حقوق اور عظمت کو پروان چڑھانے اور اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی ترقی میں حصّہ ڈالنے یا ان سے فائدہ حاصل کرنے میں مردوں اور عورتوں کو مساوی حالات اور مواقع ملیں۔ اس لیے صنفی مساوات سے مراد یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کی مشترک اور مختلف حیثیتوں اور معاشرے میں ان کے کردار کو برابر اہمیت دی جائے۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ خواتین اور مرد گھر، سماج اور معاشرے میں مکمل طور پر شریک ہوں۔ اچھے معیار تعلیم کے حصول، طریق عمل میں لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے مساوی اور یکساں برتاؤ کو یقینی بنایا جائے جو ہر قسم کے روایتی تصورات سے پاک ہو۔

پس منظر

مغرب میں صنفی مساوات کے نظریہ کا آغاز صنعتی انقلاب کے بعد ہوا۔ جب روزگار میں خواتین کو وہ حقوق نہ ملے جو مردوں کو میسر تھے۔ انقلاب فرانس اور امریکہ کی آزادی اس نظریہ کے فروغ میں معاون ثابت ہوئے جب حقوق کی دیگر تحریکوں کے ساتھ نسائی نظریات نے آزادی نسواں کی جدوجہد شروع کی اور مرد کو عورت کے برابر مقام دلانے کے لیے تحریک شروع کی۔[10] عورت کے بارے میں قدیم تہذیبی روایات میں عورت کا تصور اور صنعتی انقلاب کے بعد روزگار میں عدم مساوات کے نتیجہ میں مغرب میں عورت کی آزادی اور مرد سے مساوات کی تحریک شروع ہوئی۔ اس سے قبل عورت سماجی، معاشی اور سیاسی طور پر مرد سے کم تر تصور کی جاتی تھی۔

مغربی معاشرہ میں شادی کے بعد عورت اپنے تمام حقوق ملکیت سے محروم ہو جاتی۔ انگلستان کے قانون کی رو سے یہ بات طے تھی۔ کہ شادی سے پہلے عورت کے ذمہ جو قرض ہو گا، وہ مرد ادا کرے گا، اور عورت کا جو مال و دولت یا جائیداد ہو گی، وہ مرد کی ہو گی، نان و نفقہ کا بھی کوئی مناسب توازن نہیں تھا۔ اس کو اس بات کی اجازت بھی نہیں تھی، کہ خود کما کر اپنی ذات پر خرچ کرے، اور اپنی پسند سے شادی کرے۔[11]

1857ء تک انگلستان میں عورت جائیداد کی مالک نہ تھی، اس کی جائیداد نکاح کے وقت خاوند کی جائیداد میں جذب ہو جاتی تھی۔ کوئی ایسا قانون نہ تھا جو مرد کی زیادتیوں کو روکتا۔ عورت کو مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ ابھی ڈیڑھ سو سال پہلے عورت کو انگلستان میں یہ حق حاصل نہیں تھا، کہ

وہ اپنی طرف سے کوئی معاہدہ کر سکے۔[12]

انیسویں صدی میں عورت کی یہ حیثیت تھی کہ انگلستان میں خاوند کو یہ حق تھا، کہ وہ جب چاہے، اپنی بیوی کے گلے میں رسی ڈال کر بازار میں لے جائے، اوراسے معمولی سی قیمت پر فروخت کر دے۔

"Commonly the husband led his wife with a rope round her neck on a market day, to the place where cattle were sold, bound is a past and sold her to the highest bidder in the presence of necessary witnesses." [13]

"شوہر عام طور پر منڈی لگنے کے دن اپنی بیوی کے گلے میں رسی ڈال کر اس منڈی میں لے جاتا تھا جہاں مویشیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اسے ایک جگہ باندھ کر سب سے زیادہ بولی دینے والے کے ہاتھ فروخت کیا جاتا تھا، اور اس پر گواہوں کی گواہی لی جاتی تھی۔"

کرسٹن امنڈسن لکھتی ہے۔

1970ء میں صدر نکسن نے میکسیکو کے صدر کو ایک عظیم دعوت کے لیے مدعو کیا تو ہوٹل کی انتظامیہ کے ہاں جو پچاس عورتیں ویٹرز کے طور پر کام کرتی تھیں، ان کو صاف کہہ دیا گیا، کہ ایسی پر عظمت دعوت میں ان کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان کے بجائے مرد ویٹروں کا بندوبست کرنا پڑا[14]

گویا اس خاتون مصنفہ کے نزدیک یہ واضح ثبوت تھا۔ کہ امریکہ کے صدر کے نزدیک عورتیں گھٹیا درجے کی انسان ہیں۔ وہ عظیم دعوت میں کھانا کھانے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ ایک مثال سے وہ ثابت کرنا چاہتی ہے، کہ امریکہ میں عورتوں کو کمتر سمجھا جاتا تھا۔

بینکوں میں سنیارٹی اور طویل ملازمت کے باوجود جب کوئی غیر شادی شدہ عورت حاملہ ہونے کی وجہ سے رخصت طلب کرتی۔ تو اسے یا تو ملازمت سے استعفی دینا پڑتا یا پھر نوکری سے الگ کر دیا جاتا۔ اس کے مقابلے میں کوئی غیر شادی شدہ مرد اپنے باپ ہونے کا اقرار کرتا ہے تو اسے نوکری سے ہاتھ نہیں دھونے پڑتے۔[15]

رچرڈ برگر جرمنی کے متعلق لکھتا ہے:

جون 1936ء میں عورتیں جج، سرکاری وکیل کے بطور کام کرنے سے روک لی گئیں، پھر آہستہ آہستہ نائب ججوں، نائب ٹیچروں کے مقام سے بھی رخصت کر دی گئیں اور یہ اعلان کیا گیا کہ عورتیں بطور جیوری بھی کام نہیں کر سکتیں، اور مدلل طور پر بحث نہیں کر سکتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر جذبات حاوی رہتے ہیں۔[16]

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہے:

“Women also earn less than men in the same kind of jobs, for example, the medium pay of women workers in the U.S.A. was 59% that of men in 1970.” [17]

”ایک ہی قسم کی ملازمت میں عورتوں مردوں سے کم معاوضہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر 1970ء میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی اوسطا تنخواہ 59 فیصد تھی۔“

امریکہ میں تین کروڑ دس لاکھ عورتیں اس وقت کام نوکری کر رہی ہیں، اس وقت وہ ہماری کام کی طاقت کا 40 فیصد ہیں، ان میں 75 فیصد عورتیں سال میں 5000 ڈالرز سے کم کمانے والی ہیں، ان میں سے تقریباً آدھی یعنی ا کروڑ 50 لاکھ عورتیں سالانہ فی کس 3700 ڈالرز سے کم کماتی ہیں، دو فیصد سے کم عورتوں کی اوسط آمدنی 10 ہزار ڈالرز یا اس سے بھی کچھ زیادہ بنتی ہے۔[18]

مغربی ممالک نے سیاسی سرگرمیوں کے اشتراک سے خواتین کے نظریہ مساوات کو پروان چڑھایا، جس میں تمام شعبوں میں مرد کے مساوی حقوق حاصل کرنے کے لیے قوانین بنائے گئے، حالانکہ اکیسویں صدی کے ابتداء میں ہی کئی ممالک میں خواتین کو ووٹ دینے کا حق، جائیداد کی ملکیت رکھنے، ملازمت یا کاروبار اختیار کرنے، تعلیم حاصل کرنے جیسے حقوق قانونی طور پر حاصل ہو چکے تھے مگر اس قانونی مساوات کے باوجود مغرب میں آج بھی صنفی مساوات ممکن نہ ہو سکی۔ اس سلسلہ میں کئی مغربی مفکرین خاندان کی افرادی قوت میں صنفی تقسیم Sexual Division of Labour کی تشکیل نو کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تاکہ خاندان میں مرد اور عورت کو مساوی اہمیت دی جاسکے۔

عورتوں میں حقوق کا شعور اور مساوات

مغرب میں عورتیں اپنے مسائل کو سلجھانے کی کوشش انفرادی طور پر تو صدیوں سے کر رہی تھیں، لیکن اجتماعی جدوجہد کی باقاعدہ تحریک کی ابتدا انیسویں صدی میں ہوئی۔ جب صنعتی انقلاب، انقلاب فرانس، امریکہ کی آزادی اور عالمی جنگوں کے بعد عورتوں کے مسائل سیاسی اور مذہبی حلقوں میں زیر بحث آنے لگے۔[19] یہ وہ دور تھا جب ذاتی آزادی کا تصور مقبول عام ہو رہا تھا۔ آزادی نسواں کی تحریک کے صنعتی انقلاب سے وابستہ ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ تحریک اولاً ان ہی ملکوں میں شروع ہوئی، جہاں سب سے پہلے صنعتی انقلاب آیا تھا۔ چنانچہ آزادی نسواں کی تاریخ بتاتی ہے، کہ وہ سب سے پہلے انگلینڈ میں شروع ہوئی۔ امریکہ میں

صنعتی انقلاب دیر سے آیا،اس لئے امریکہ میں آزادی نسواں کی تحریک انیسویں صدی میں شروع ہو سکی۔ صنعتی انقلاب کی ترقی کے ساتھ آزادی نسواں کی تحریک بھی ترقی کرتی رہی، یہاں تک کہ وہ اپنے آخری کمال تک پہنچ گئی۔ آزادی نسواں کے علمبرداروں کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ قدیم سماجوں میں عورت اور مرد کے درمیان جو فرق تھا۔اس کا سبب فطرت میں نہ تھا،بلکہ سماج میں تھا۔ عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے یا کر سکتا ہے۔ مگر قدیم سماجی حالات نے عورت کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا،اگر یہ سماجی دباؤ ختم کر دیا جائے، تو عورت ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرے گی،وہ کسی اعتبار سے مرد کے پیچھے نہیں رہے گی،انہوں نے اپنی تمام فکر کی بنیاد ہی اس نظریہ پر رکھی ہے،جب کہ سنجیدہ علمی ذہن اس نظریہ کا ہی ناقد ہے،کیونکہ حیاتیاتی اور طبعی حقائق اس کے مخالف ہیں۔[20]

معاشی میدان میں مصروف رہنے کے بعد عورت نے محسوس کیا، کہ اس کے لیے سارا دن دفتر اور کارخانے میں کام کرنا، پھر اسکے بعد گھر آکر گھریلو امور بھی انجام دینا اور بچوں کی پرورش کرنا دوہری مشقت ہے،تو اس نے بعض ایسی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرنا شروع کی،جو فطرت نے اس پر عائد کی ہیں۔ دوران حمل اسے اپنے کام سے تو چھٹی لینا پڑتی تھی، پھر وضع حمل کے بعد بچے کو دودھ پلانا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ بچے کو دوران ملازمت ساتھ بھی نہ لے جاسکتی تھی۔ اور گھر میں اسکے لیے ملازمہ رکھے تو معاشی طور پر بھی وہ اتنا بندو بست نہ کر پاتی تھی۔ نہ ہی بچے کی پرورش کی خاطر لمبے عرصے تا چھٹی لے سکتی تھی۔ اس مشکل کے حل کے لیے بچوں کی نگہداشت کے خصوصی مراکز Child Care Center بنا دیئے گئے جن کے اخراجات کی ذمہ داری ماں پر تھی، لیکن اسکے باوجود مشکل برقرار رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت مادرانہ فرائض انجام دینے سے گریز کی راہ اختیار کرنے لگے۔[21]

دوسری بڑی وجہ اُجرتوں اور معاوضوں کی تقسیم میں عدم مساوات تھی۔ ایک ہی نوعیت کے کام جب مرد کریں تو ان کی تنخواہ زیادہ اور عورتیں کریں تو ان کی اجرت کم،لہذا پہلے نمبر پر اس نے مساوات کا مطالبہ کیا، مگر جب اسے یہ مساوات نہ مل سکی تو اس نے اپنے حقوق حاصل کرنے اور اپنے مطالبات منوانے کے لیے ووٹ دینے کا حق طلب کیا۔ مگر قانون مرد کے ہاتھ میں تھا وہ عورت کو مساوی اجرتیں دینے پر رضامند نہ تھا، بلکہ عورت نے یہ بھی محسوس کیا کہ ایک جرم مرد کرے تو اسکی سزا ہلکی مگر وہی جرم عورت سے سرزد ہو

تو سزا سنگین، لہذا مجبور ہو کر عورت نے پارلیمنٹ میں اپنے لیے نمائندگی کا حق مانگا اور مساوات مردوزن کا نظریہ پیش کیا۔[22]

مساوات کے لیے پہلی آواز میری وولسٹن کرافٹ Mary Wollstonecraft[23] نے اپنی کتاب حقوق نسواں A Vindication of the Rights of Women کے ذریعے بلند کی۔ اس نے 1792ء میں اس کتاب میں یہ مطالبہ پیش کیا۔

تعلیم، روزگار اور سیاست کے میدان میں عورتوں کی وہی حثییت تسلیم کی جائے جو مردوں کو حاصل ہے۔ مزید دونوں صنفوں کے لیے اخلاقی معیار بھی یکساں ہونا چاہیے[24]

1792ء میں انگریز خاتون میری وولسٹن کرافٹ نے پہلی دفعہ بھرپور استدلال کے ساتھ عورتوں کے مساوی حقوق کی بات کی۔ میری وولسٹن کرافٹ کو تحریک نسواں کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ میری کرافٹ کا بنیادی استدلال یہ تھا کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہیں، اسی لیے انہیں یکساں تعلیم، یکساں حقوق ووٹ کام کرنے کے یکساں مواقع اور ان کے لیے یکساں اخلاقی ضابطے وضع کئے جائیں۔ میری وولسٹون کرافٹ کا کہنا تھا، کہ عورتوں کو جسمانی اور ذہنی طاقت کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اپنی جذباتیت، نرمی اور رقت قلبی، جو کہ کمزور صنف ہونے کی علامت ہیں، کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تاکہ وہ معاشرتی مساوات حاصل کر سکیں۔ میری وولسٹون کرافٹ نے مساوات مردوزن پر اس قدر زور دیا کہ مساوات مردوزن کا ایک حسین رومانی خواب ٹھہرا۔ فرڈینیڈ لنڈبرگ Ferdinand Lundberg کے خیال میں وولسٹون کرافٹ کی کتاب صرف ایک سحر انگیز رومانوی لفظ مساوات کے گرد گھومتی تھی[25]

بعد ازاں یہ نظریہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا، اس کے حق میں دلائل بھی فراہم ہونے لگے۔ جلد ہی یہ تحریک یورپ اور امریکہ میں پھیلنے پھولنے لگی، پھر زندگی کے ہر شعبے میں مساوات حاصل کرنے کا نظریہ ترقی پسندانہ نعرے کی حثییت اختیار کر گیا, اور اسکے خلاف کوئی بات کرنا پسماندگی کی علامت قرار دیا جانے لگا۔ ساتھ ساتھ فیملی پلاننگ کی تحریک بھی بڑھنے پھولنے لگی۔ فیملی پلاننگ کی تحریک کے تحریک آزادی نسواں کے ہمنوا ہونے کی بڑی وجہ یہ تصور کیا تھا۔ کہ عورت کی خوشی اور آزادی میں حائل جہاں مرد ہیں، وہاں بچے عورت کو کمزور کرنے کا سب سے بڑا باعث ہیں عورت کی خودی اور ترقی کے قاتل ہیں اور مردانہ تسلط کو عورت

کی آزادی پر غالب کر کے عورت کی معاشی راہیں مسدود کرتے ہیں۔[26]

ڈاکٹر جسٹس آفتاب حسین "Status of women in Islam" میں لکھتے ہیں:

امریکہ نیو انگلینڈ میں انیسویں صدی تک شادی شدہ عورت کی بغیر شوہر کے کوئی قانونی حیثیت نہ تھی۔ وہ مقدمہ، معاہدہ یا وصیت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی ساری جائیداد اور کمائی شوہر کی ہوتی تھی، کیونکہ وہ اسی کے نام سے معروف ہوتی تھی۔ وہاں ۱۸۳۹ء کے بعد جائیداد سے متعلق اصلاحات شروع ہوئیں۔ انگلستان میں پہلا قانون "شادی شدہ عورت کی جائیداد کا ایکٹ" ۱۸۸۲ء میں بنا۔ اٹھارہویں صدی میں سر ولیم بلیک سٹون نے انگلینڈ کے قانون کی تشریح کر کے اور اس کا جائزہ لے کر بتایا، کہ مالی اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت کم تر ہے۔ اور وہ مرد کی ذات ہے۔ قانون جائیداد مجریہ ۱۹۲۵ء کی دفعہ ۳۷ میں شادی شدہ مرد اور عورت کو دو الگ الگ وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ قانونی اصلاحات شادی شدہ خواتین معاہدات ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق عورت جائیداد اور معاہدے کے لحاظ سے مقدمہ کر سکتی ہے۔ اور اس کے خلاف بھی مقدمہ ہو سکتا ہے۔ جس کے مطابق وہ جائیداد رکھنے، معاہدہ کرنے اور ہر طرح کا لین دین کرنے کی قانونی طور پر مجاز ہے۔ اس ایکٹ کی رو سے یہ اعلان بھی کیا گیا، کہ اس کی واحد ملکیت اس کی اپنی ہے، جس میں وہ ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق رکھتی ہے۔[27]

انگلستان کی تاریخ سے بھی اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ 1918ء تک ملک کی سیاست میں عورتوں کو کوئی دخل نہ تھا، پہلی مرتبہ انگلستان میں 30 سال سے زائد عمر کی عورتوں کو حق رائے دہی دیا گیا۔ پھر 1925ء میں اس حق کی توسیع کی گئی۔ اور 21 سال یا اس سے زیادہ عمر والی عورتوں کو بھی انتخابات میں رائے دینے کی اجازت دی گئی۔[28] سوئٹزرلینڈ میں 1917ء سے پہلے عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہ تھا۔[29]

1918ء میں ہر خاتون ووٹر کے لیے یہ شرط لازمی ہو گئی، کہ کم از کم 30 سال اور 50 سال کی عمر کے دوران عورتوں کو بھی ووٹ کا حق ملنا چاہیے۔ 1867ء کے ریفارم ایکٹ میں خواتین کو حق رائے دہی ملا۔ انہیں ذاتی ملکیت رکھنے کا حق بھی مل گیا۔ جنس کی بناء پر مرد و عورت کا امتیازی سلوک ممنوع قرار پایا۔ عورتوں کے لئے مردوں کے مساوی قوانین بنے اور یکساں حقوق بھی تسلیم کئے گئے۔ عورت کو طلاق دینے کا حق بھی مل گیا۔ اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ کام

کرنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق رکھوانے میں کامیاب ہو گئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں۔ پھر اس نے اسقاط حمل کا حق بھی مانگا جو 1970ء میں اسے مل گیا۔

مغربی معاشرہ پر مرتب ہونے والے اثرات

موجودہ دور میں مغربی خواتین کی مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو بہ نسبت ماضی خواتین معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر مستحکم ضرور ہوئی ہیں۔ لیکن مغرب نے جہاں عورت کے شہری اور معاشی حقوق کو قانونی تحفظ فراہم کیا وہاں مغربی آزادی نسواں اور تصور مساوات کے معاشرتی اور اخلاقی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں بلکہ تمدنی زندگی میں عورت بھی وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں اور اخلاقی بندشیں عورت کے لیے بھی اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں جس طرح مرد کے لیے پہلے سے ڈھیلی ہیں۔ عورت کے معاشی استقلال نے اولاً تو قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے کو نئے قاعدے سے بدل گیا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اور ثانیاً آزادی نسواں کی بدولت عورت جب مرد کی کفالت اور مالی اعانت سے بے نیاز ہو گئی تو پھر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ جو عورت خود کمائے وہ مرد کی خدمت کیوں کرے؟ گھر کی ذمہ داریاں کیوں سنبھالے؟ اس لیے شادی سے کنارہ کشی کا عام رجحان بنتا گیا اور خواتین میں یہ خیال مضبوط ہوتا گیا کہ شادی کر کے شوہر کی خدمت کے جھمیلے میں کیوں پڑا جائے اور نہ ہی عورت کی بقا کے لئے مردوں کے سہارے کی ضروت ہے۔[30]

مغربی تصور آزادی نسواں کے نتیجے میں معاشرتی طور پر جو پہلا اثر پڑا وہ جنسی آزادیوں سے حاصل ہونے والے ثمرات ہیں، جن میں شادیوں سے دوری اور ہم جنس پرستی، تجرد پسندی اور طلاق کا بڑھتا ہوا رجحان، مانع حمل اور اسقاط حمل سے شرح پیدائش میں کمی، جنسی آزادیوں کو قانونی تحفظ حاصل ہونے کی بدولت ناجائز ولادتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور جنسی و نفسیاتی بیماریاں بڑی حد تک اسی سبب کی مرہون منت ہیں جن سے آج مغربی ممالک پریشانی کا شکار ہیں۔

شادیوں سے اجتناب، طلاق اور ہم جنس پرستی

آزادی نسواں کے بنیادی تصورات میں پدرانہ معاشرہ کے خلاف سخت ردعمل شامل تھا۔ عورت کی معاشی خود

مختاری میں خاندان، بچے کی پیدائش وپرورش کی ذمہ داری کو بنیادی رکاوٹ تصور کیا جانے لگا اس لیے معاشرے میں جو پہلا رجحان شادیوں سے اجتناب، دیر سے شادی کرنا، طلاق اور ہم جنس پرستی کی صورت میں رونما ہوا۔

تحریک نسواں کی علمبردار شیلا روبوتھم Shila Rowbotham[31] کہتی ہیں

"عورت کے لئے شادی کے معنی غلامی ہیں اس لئے تحریک نسواں کو شادی کی روایت پر حملہ کرنا چاہیے۔ شادی کی روایت کو ختم کئے بغیر عورت کو آزادی نصیب نہیں ہو سکتی"۔[32]

مغرب میں شادی کے اس تصور کے پروان چڑھنے کے بعد مرد اور عورت کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ایسا ربط باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو۔ یہ تجربہ ہے کہ جو عورت اپنی روٹی آپ کماتی ہے وہ اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے، اپنی زندگی میں دوسرے کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے، وہ آخر محض اپنی شہوانی خواہش کی تسکین کے لئے کیوں ایک خاندان کی ذمہ داری کا بار اٹھائے؟ خصوصاً جبکہ اخلاقی مساوات کے تخیل نے اس راہ سے وہ تمام رکاوٹیں بھی دور کر دی ہوں جو اسے آزاد شہوت رانی کا طریقہ اختیار کرنے میں پیش آسکتی تھیں۔

بغیر شادی کے شہوانی تعلق قائم کرنے سے خاندان کی ضرورت واہمیت ختم ہو گئی اور خاندان کی جگہ ہم خانگی اور گھریلو شراکت داری نے حاصل کر لی اور شادی کی طرف رجحان کم ہونے لگا۔

تحقیقی رپورٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امریکہ میں دیر سے شادی کرنے کا رجحان 1950 سے شروع ہوا۔ جب کہ حالیہ تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں شادی کرنے کا رجحان حالیہ برسوں کی نسبت بہتر ہوا مگر غیر شادی شدہ افراد میں اکٹھے رہنے Cohabitation کا رجحان بڑھا ہے۔ 2008 سے 2012 تک یہ شرح اُنتالیس 39 فیصد سے بڑھ کر بیالیس 42 فیصد ہوئی۔[33]

شادی کی شرح میں یہ کمی طویل مدتی ہے یعنی آہستہ آہستہ معاشرے میں شادی سے اجتناب، دیر سے شادی کرنا اور متبادل راستے اختیار کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ جس کا اندازہ ذیل سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہوتا ہے۔

2016 میں امریکہ میں شادی شدہ جوڑوں کی تعداد ساٹھ اعشاریہ چھ 60.6 ملین تھی جو کہ گزشتہ دہائیوں سے زیادہ تھی۔ 1970 میں یہ تعداد پینتالیس اعشاریہ سینتالیس 45.47 ملین تھی۔ 1990 سے 2016 تک شادی کی شرح میں کمی واقع ہوئی ہے۔[34]

2016 میں 18 سال سے زائد ایسے ایک سو دس اعشاریہ چھ 110.6 ملین افراد غیر شادی شدہ تھے جن میں سے ترسیٹھ اعشاریہ پانچ 63.5 فیصد افراد نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ ان میں سے اُنیس اعشاریہ پانچ 19.5 ملین افراد ایسے تھے جن کی عمر پینسٹھ سال سے زائد تھی جو کہ کُل غیر شادی شدہ افراد کا سترہ اعشاریہ سات 17.7 فیصد بنتا ہے۔ جب کہ اُنسٹھ اعشاریہ آٹھ 59.8 ملین گھرانے ایسے جو غیر شادی شدہ مرد و خواتین پر مشتمل تھے جو کہ کُل غیر شادی شدہ افراد کا سینتالیس اعشاریہ چھ 47.6 فیصد بنتا ہے۔

بغیر شادی کے اکھٹے رہنے والی سینتیس اعشاریہ پانچ 37.5 فیصد آبادی ایسی تھی جن کی ہاں ایک اولاد تھی۔ جب کہ 2015 میں تین اعشاریہ پانچ 3.5 ملین کی آبادی غیر شادی شدہ جوڑے تھے جن میں سے چار لاکھ تینتیس ہزار پانچ سو انتالیس ہم جنس پرست جوڑے تھے۔ [35]

1990 میں ہر ایک ہزار میں سے نو اعشاریہ آٹھ 9.8 افراد شادی شدہ تھے جب کہ 2016 میں ہر ایک ہزار میں سے چھ اعشاریہ نو 6.9 افراد شادی شدہ ہیں۔ امریکی ریاست نیواڈا میں شادی کی شرح میں بلند ترین ہے جہاں شادی کی شرح ہر ایک ہزار میں سے اٹھائیس اعشاریہ چار 28.4 افراد شادی شدہ ہیں جب کہ ایلونائی میں شادی کی شرح سب سے کم ہے جہاں ہر ایک ہزار میں سے پانچ اعشاریہ چھ 5.6 افراد شادی شدہ ہیں۔ اسی رپورٹ کے مطابق 2016 میں طلاق کی شرح میں بھی کمی واقع ہوئی ہے جو کہ ہر ایک ہزار میں سے تین اعشاریہ دو 3.2 ریکارڈ کی گئی۔ [36]

موجودہ دور میں امریکہ میں شادی کی اوسط عمر ستائیس 27 سال کی لڑکی اور اُنیتس 29 سال ہے۔ جب کہ سترہ 17 سال کی عمر میں لڑکے اور لڑکیاں جنسی عمل کر چکے ہوتے ہیں۔ پچیس سال تک بالغ خواتین کی اکثریت اکیلی رہتی ہے اور بغیر شادی کے جنسی عمل کرتی ہے۔ [37]

امریکہ میں 1972 سے ہم جنس پرست شادیوں کی اجازت دی گئی تھی۔ 2011 میں شادی مساوات ایکٹ The Marriage Equality Act کے تحت ہم جنس شادیوں کو قانونی حیثیت دی گئی۔ جب کہ اس کے خطرناک نتائج افزائش نسل میں کمی، ذہنی و جسمانی امراض و دیگر معاشی مسائل سامنے آنے پر 20 جون 2015 کو سپریم کورٹ نے شادی کا تحفظ ایکٹ The Marriage Equality Act کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس پر پابندی عائد کر دی۔ [38]

مغرب کی فکر معاش میں مبتلاء شادی شدہ عورت اپنے گھر پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی وہ اپنے ساتھی کی آسودگی کا باعث بنتی ہے جو اس کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں اکثر شادیاں طلاق پر منتج ہو جاتی ہیں۔ طلاق کی وجہ سے نہ صرف گھر تباہ ہو جاتا ہے بلکہ عورت و مرد کا ذہنی سکون بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مطلقہ عورتیں کئی مشکلات کا شکار ہو جاتی ہیں۔

"Divorce has become a major source of economic hardship for women". [39]

"طلاق عورتوں کی معاشی مشکلات کا بڑا سبب بن چکی ہے۔"

نکاحوں کی کمی، طلاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر مستقل یا عارضی تعلقات کی کثرت یہ معنی بھی رکھتی ہے۔ خاندانی نظام متاثر ہو رہا ہے، بچے پیدا کرنے کی خواہش مِٹ رہی ہے اور پیدا شدہ بچوں سے غفلت برتی جا رہی ہے۔ [40]

یورپ میں سال 2015 کی رپورٹ کے مطابق بائیس 22 لاکھ شادیاں ہوئیں اور نو لاکھ چھیالیس ہزار 946 خواتین نے طلاق لی۔ جب کہ امریکہ میں بائیس لاکھ پینتالیس ہزار چار سو چار 2245404 شادیاں ہوئیں اور آٹھ لاکھ ستائیس ہزار دو سو اکسٹھ 827,261 طلاقیں ہوئیں۔ [41]

شادیوں سے اجتناب اور طلاق کی وجہ سے مغربی معاشرے نے متبادل راستے یعنی ہم خانگی اور گھریلو شراکت داری اختیار کی جس کے باعث ناجائز ولادتوں میں اضافہ ہوا۔

ہم خانگی اور ناجائز ولادتوں میں اضافہ

آزادی نسواں اور اختلاط مرد و زن کے نتیجہ میں سماجی اور ثقافتی اقدار میں تبدیلی کی بدولت شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنا، اور بغیر شادی کے ہم خانگی یا گھریلو شراکت داری کے تحت اولاد پیدا کرنے کے رجحانات سماجی تبدیلیوں کا باعث بن رہے ہیں۔ مغرب میں ناجائز بچوں کی ولادتوں کا تاریخی جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں تصور آزادی نسواں کے بعد تیزی اس کا رجحان بڑھا۔ [42]

1965 میں امریکہ کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ناجائز بچوں کی تعداد اُنتیس لاکھ بارہ ہزار 2912000 تھی اور ان میں سے ہر ایک ہزار میں تیئس اعشاریہ پانچ 23.5 بچے بن بیاہی ماؤں کے تھے جن کی عمر 15 سے 44 سال تک تھیں۔ جبکہ شادی شدہ عورتوں میں مقابلتاً اس کا تناسب اکتیس اعشاریہ

ایک 31.1 تھا۔ یہ غیر قانونی پیدائش 1940ء میں تین گنا قانونی پیدائش کے مقابلہ میں زیادہ تھی جب کہ اس زمانے میں تناسب سات اعشاریہ ایک 7.1 غیر شادی شدہ افراد میں تھا۔[43]

کلائیڈ ای۔ مارٹن[44] کے مطابق:

"In United States in 1965 for example, my estimate is that approximately 1324000 illicit pregnancies occurred" [45]

مثال کے طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں 1965ء میں میرے اندازہ کے مطابق تقریباً تیرہ لاکھ چوبیس ہزار 1324000 ناجائز حمل وضع ہوئے۔

1970 میں تقریبا چار لاکھ بچوں میں سے تین لاکھ ستر ہزار بچے بغیر شادی کے پیدا ہوئے تھے۔ 1990 میں چار لاکھ بچوں میں سے ایک لاکھ بیس ہزار بچے ایسے تھے جو بغیر شادی کے پیدا ہوئے۔ 1960 سے 1980 کے دوران شادی کے بغیر بچوں کو جنم دینے والی امریکی سفید فام خواتین کی تعداد میں دُگنا اضافہ ہوا، جب کہ سیاہ فام خواتین میں اس رجحان میں پانچ سے دس فیصد تک کمی واقع ہوئی۔ [46]

یورپی یونین کی رپورٹ کے مطابق 2014 میں چالیس 40 سے چوالیس 44 سالہ پچاس فیصد خواتین ایسی ہیں جنہوں نے کبھی شادی نہیں کی اور بچوں کو جنم دیا 1995 میں امریکہ اور کینیڈا میں ایک تہائی بن بیاہی خواتین ایسی تھیں جن کے ہاں اولاد تھی۔ سویڈن میں پچپن 55 فیصد، ڈنمارک میں پینتالیس 45 فیصد، جرمنی میں بیس 20 فیصد، نیدرلینڈ میں تیئس 23 فیصد ولادتیں بغیر شادی کے تھیں۔ [47]

آج بھی ہم خانگی اور ناجائز ولادتوں کا مسئلہ سب سے زیادہ امریکہ میں پایا جاتا ہے اور گزشتہ ایک دہائی میں اس میں اضافہ ہوا ہے۔

امریکی ادارہ کے سروے 2006 سے 2010 کے اعداد و شمار کے مطابق پندرہ 15 سے چوالیس 44 سال کی اڑتالیس 48 فیصد خواتین شادی کے بجائے ہم خانگی میں رہتی ہیں۔ جب کہ تیس 30 سال کی خواتین کا تناسب چوہتر 74 فیصد ہے جو بغیر شادی کے مردوں کے ساتھ گھریلو شراکت داری میں رہتی ہیں۔ اور اٹھاون 58 فیصد ولادتیں اس ہم خانگی کا نتیجہ تھیں۔ [48]

ہم خانگی کے اس رجحان میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ناجائز بچوں کی ولادتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ 2015 میں تین اعشاریہ تین 3.3 ملین جوڑے ایسے تھے جو ہم خانگی میں رہ رہے

تھے جن کے ہاں اٹھارہ سال سے کم عمر بچے تھے۔ بغیر شادی کے ہم خانگی کے رجحان میں 1996 سے اضافہ شروع ہوا اُس وقت یہ تعداد ایک اعشاریہ دو 1.2 ملین تھے۔ غیر شادی شدہ عورتوں میں ولادتوں کے تناسب میں گزشتہ دہائیوں میں اضافہ ہوا۔ 1960 سے 1995 تک بتیس 32 فیصد اضافہ ہوا۔ جب کہ 1997 سے 2008 تک یہ اضافہ بتیس 32 فیصد سے اکتالیس 41 فیصد تک تیزی سے بڑھا۔[49]

انسدادی تدابیر اور جنسی علوم میں اضافے کے باوجود جنسی آوارگی کا اثر یہ ہوا کہ لڑکیاں غیر قانونی طور پر حاملہ ہوتی ہیں۔ جنسی بے راہ روی کی وجہ سے غیر قانونی حمل میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مغربی ممالک میں حمل کو ضائع کرنا قانونی قرار دے دیا ہے، تاکہ لوگ محفوظ اور آزاد ہو جائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں جنسی بیماریاں پھیلیں۔[50]

مغرب میں اسقاط حمل جائز قرار پانے کے باوجود ناجائز بچوں کی کثرت ہو رہی ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ فرانس کا ہر پانچواں بچہ ناجائز ہے۔ برطانیہ میں ہر چوتھا بچہ ناجائز ہے، اب ناجائز اور جائز بچوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، بلکہ ایسے قوانین بنادیے گئے ہیں کہ کنواری ماؤں کو پورا تحفظ حاصل ہو۔[51]

شرح پیدائش میں کمی

مغرب میں 1 یک طرف بن بیاہی مائیں ہیں جو اپنے بچوں کو تنہا پال رہی ہیں، دوسری طرف مغربی ممالک آبادی کے بحران کا شکار ہیں۔ خصوصاً ترقی یافتہ ممالک میں آبادی میں اضافے کی شرح اس تیزی سے کم ہو رہی ہے کہ متعدد ممالک اپنی صنعتی ضروریات پوری کرنے کے لئے تیسری دنیا کے پناہ گزینوں کے لئے اپنے دروازے کھولنے پر مجبور ہیں۔ مغرب میں آبادی میں کمی کی وجہ شادی کے رحجان میں کمی، طلاقوں کی زیادتی، شادی سے قبل جوڑوں کا ساتھ رہنا، اسقاط حمل کو قانونی تحفظ، مانع حمل ادویات کا استعمال اور ہم جنس شادیوں کو قانونی حیثیت ملنا ہے۔

امریکہ میں جنوری 1999 سے دسمبر 2015 تک امریکہ میں قومی سطح کے اعداد و شمار کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کم شرح پیدائش کی بڑی وجہ ہم جنس پرستی ہے۔[52]

یورپ میں بھی شرح پیدائش میں کمی کا مسئلہ سنگین بن چکا ہے۔ آبادی کے اعتبار سے یورپ کا سب سے بڑا ملک ہونے کے باجود جرمنی میں ستر کی دہائی کے بعد سے بچوں کی کم شرح پیدائش کا مسئلہ درپیش رہا

ہے۔ تاہم شرح پیدائش کے حوالے سے اب جرمنی یورپی یونین میں اوسط شرح پیدائش کے قریب آگیا ہے۔ اٹھائیس رکنی یورپی یونین میں بچوں کی پیدائش کا اوسط تناسب ایک اعشاریہ ساٹھ 1.60 بنتا ہے جب کہ جرمنی میں یہ تناسب ایک اعشاریہ اُنسٹھ 1.59 اور فرانس میں ایک اعشاریہ بانوے 1.92 ریکارڈ کیا گیا۔[53]

یورپ کو آہستہ رفتار سے لیکن یقینی طور پر آبادی میں تبدیلی کے ایسے رجحانات کا سامنا ہے جن کی وجہ سے مستقبل میں بہت سی ریاستوں کے لیے کئی طرح کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ مسائل طویل مدتی بنیادوں پر نہ صرف اقتصادی ترقی کو متاثر کر سکتے ہیں بلکہ یورپی قوموں کو ایک مشکل انتخاب پر بھی مجبور کر سکتے ہیں۔ کئی سالوں سے جاری کم تر شرح پیدائش کے باعث نوجوان نسل کا تناسب کم ہو رہا ہے اور یورپی معاشروں میں روزگار کی منڈی سے رخصت ہو جانے والے بزرگ شہریوں کا تناسب مسلسل زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان تبدیلیوں کی بنیادی وجہ دیر سے شادی کرنا، طلاق کی شرح میں اضافہ اور ہم جنس پرستی کی وجہ سے کم شرح پیدائش ہے۔[54]

جنسی و نفسیاتی بیماریاں

جنسی آزادیوں کی بدولت ہم جنس پرستی میں بڑھتے ہوئے رجحان سے نہ صرف شرح پیدائش میں کمی ہوئی بلکہ جنسی و نفسیاتی بیماریوں میں بھی اضافہ ہوا۔ عورتوں میں یہ بیماریاں مردوں سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ ایڈز اور ایچ آئی وی جیسی خطرناک بیماریوں کے پھیلاؤ سے مغرب کے ترقی یافتہ ممالک پریشان ہیں۔

"Another problem associated with freedom is venereal disease".[55]

"آزادانہ اختلاط سے منسلک ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس سے خطرناک جنسی امراض پیوستہ ہیں آزاد جنسی اختلاط سے جو امراض پھیلے ان کے نتیجہ میں کئی اموات واقع ہوئیں۔"[56]

2009 میں اموری یونیورسٹی کی تحقیق میں یہ بات ثابت ہوئی کہ امریکہ میں ہم جنس پرستی سے ایڈز کے مرض میں اضافہ ہوا ہے۔ اور ہر سال امریکہ کی ہر ریاست میں ایک لاکھ 100000 افراد میں سے چار 4 افراد ایڈز سے متاثرہ ہو رہے ہیں۔[57]

امریکہ کے بیماریوں پر قابو اور روک تھام کے مرکز Centers For disease Control and Prevention کی سالانہ رپورٹ 2016 کے مطابق اٹھارہ سال سے زائد بالغ افراد جن کا ایچ آئی وی ٹیسٹ لیا گیا

اُن میں سے چالیس اعشاریہ سات 40.7 فیصد افراد ایچ آئی وی سے متاثر تھے۔ سوزاک Gonorrhea کے مرض میں چار لاکھ اڑسٹھ ہزار پانچ سو چودہ 468514 جب کہ آتشک Chlamydia کے مرض میں پندرہ لاکھ اٹھانوے ہزار تین سو چوّن 1598354 افراد مبتلا تھے۔[58]

جنسی آزادیوں اور آزادانہ اختلاط سے نہ صرف خطرناک جنسی و جسمانی بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ اس کے نفسیاتی اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ خاندانی آویزش، کم عمری میں جنسی عمل، شراب خوری، سمیت متعدد اسباب نے یورپی ممالک کے کروڑوں باشندوں کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے جس کے منفی نتائج انسانی، معاشرتی اور معاشی طور پر مرتب ہو رہے ہیں۔

نفسیاتی مریضوں کے لحاظ سے آئر لینڈ، بلجیم، جمہوریہ چیک، فن لینڈ، فرانس، ہنگری، اٹلی، ہالینڈ، سلوانیہ، اسپین، پرتگال اور برطانیہ سرفہرست ہیں جہاں 19 سے 25 فیصد شہری نفسیاتی مسائل کا شکار یا زیر علاج ہیں، جبکہ آئرلینڈ نفسیاتی مریضوں کے لحاظ سے سرفہرست ہے، جہاں 28 فیصد طلبا و طالبات نفسیاتی مسائل کا شکار ہو چکے ہیں۔[59]

آئرش لڑکیوں میں نفسیاتی مسائل کے سبب خودکشی کا رجحان پوری یورپی یونین میں سب سے زیادہ ہے۔ یورپی باشندوں میں نفسیاتی بیماریوں اور دماغی امراض کی بڑھوتری کے سبب ان میں اموات کا تناسب تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ نفسیاتی مسائل، شیزوفرینیا، قنوطیت، خود پسندی، تنہائی، ڈپریشن، تناؤ، بلڈ پریشر اور دماغی عدم توازن سمیت مختلف مسائل کے مریض کی موت طبعی عمر سے کم از کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ بیس برس پہلے ہی واقع ہو جاتی ہے۔ 22 یورپی ممالک میں ہر پانچواں فرد نفسیاتی مریض ہے اور اپنا علاج کروا رہا ہے یا دماغی سکون کیلئے ادویات کا سہارا لے رہا ہے۔[60]

امریکہ میں 55 لاکھ افراد ایسے ہیں جن کی دماغی نشو و نما نہیں ہو سکتی۔ نفسیاتی طور پر مریضوں کی تعداد 2 کروڑ ہے۔ مزید دماغی خلل Psychoneurosis میں مبتلا اشخاص کی تعداد دس لاکھ ہے۔ جن کے دماغ میں کوئی عضوی خرابی نہیں لیکن جن کا دماغ پاگلوں کی طرح کام کرتا ہے، ان کی تعداد سات لاکھ ہے۔ جن کے دماغ میں واقعی کوئی عضوی خرابی بہت زیادہ ہو چکی ہے ان کی تعداد ایک لاکھ ہے جب کہ پرانے دماغی مریض دس لاکھ ہیں اور جن افراد کو ہر سال وقتی طور پر خرابی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کی تعداد تین لاکھ ہے۔[61]

مغرب میں نفسیاتی مسائل سے صرف نوجوان و بوڑھے مرد و خواتین ہی نہیں بلکہ بچے بھی دوچار ہیں۔گھریلوماحول اور ہم جنس پرستی سے کم عمر بچوں میں بھی نفسیاتی بیماریوں میں اضافہ ہورہاہے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسف UNICEF نے امریکی بچوں میں تشدد کے رجحانات کا مطالعہ کرنے کے بعد انکشاف کیا کہ امریکہ میں چھوٹے بچوں میں تشدد کا رجحان فروغ پارہاہے۔بچوں میں تشدد کی طرف میلان والدین کے روّیے اور تربیت کا نتیجہ ہے"۔[62]

امریکہ میں ہر سال تقریبا ایک لاکھ چونیتس ہزار کم سن بچے خودکشی کرتے ہیں۔ جس میں بڑی وجہ ہم جنس پرستی سے پیدا ہونے والے نفسیاتی مسائل ہیں۔[63]

نفسیاتی مرض کو ایک سنگین معاشرتی مسئلہ ماننے والے یورپی ادارے یورپین کمیشن اینڈ آرگنائزیشن فار کوآپریشن اینڈ ڈیویلپمنٹ OCED کی جانب سے 2016 کی رپورٹ میں بتایا گیاہے کہ یورپی ممالک میں نفسیاتی پن اونچی حدوں کو چھورہاہے۔یورپی یونین کے ممالک میں آٹھ کروڑ چالیس لاکھ افراد نفسیاتی بن چکے تھے، جن میں 2016 میں ہلاکتوں کی تعداد 84 ہزار رہی۔ نفسیاتی مسائل خاندانی نظام کے ٹوٹنے، معاشرتی تنہائی اور معاشی مسائل سمیت دیگر عوامل سے بڑھ رہے ہیں اور ایسی کیفیت میں مریض شراب نوشی سمیت تنہائی کا سہارا لیتاہے اور اسی سبب اس کے نفسیاتی مسائل تیزی سے بڑھتے ہیں اور وہ موت کے منہ میں جاپہنچتاہے جبکہ ہزاروں یورپی باشندوں نے نفسیاتی مسائل سے زچ ہوکر خودکشی بھی کی ہے۔ہر برس یورپی ممالک میں اربوں ڈالرز شہریوں کی دماغی صحت کی بحالی کیلئے خرچ کئے جارہے ہیں، لیکن نفسیاتی امراض ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھتے جارہے ہیں جس سے یورپی معاشرے میں شہریوں اور خاندانوں میں خلیج اور اختلافات بڑھ رہے ہیں اور اس سے قتل، تشدد اور خودکشی میں تیزی سے اضافہ ریکارڈ کیا جارہاہے۔[64]

مردوں اور عورتوں کی مساوات کے غلط تخیل نے عورت کو اس فطری وظائف سے منحرف کردیا ہے ، عورت کے معاشی استقلال نے اس کو مرد سے بے نیاز کردیا، مردوں عورتوں کی آزادانہ اختلاط نے عورتوں اور مردوں میں حسن کی نمائش، عریانی اور فواحش کو غیر معمولی ترقی دی، صنفی میلان جو پہلے ہی مرد و عورت میں فطری طور پر موجود ہے، آزادانہ میل جول کی وجہ سے غیر معمولی حد تک بڑھ گیاہے۔

اس پر مرزا محمد حسین اپنی کتاب Islam and socialism میں مغربی عورت کی حالت زار بیان کرتے ہیں۔وہ مغرب جس کے پرستاروں کا یہ دعوی ہے، کہ مغرب تمام دنیا پر فوقیت رکھتا ہے۔گھریلو اور خاندانی امن وسکون اور مسرت سے محروم ہے۔ ان کے گھروں میں ہر وقت جھگڑا اور لڑائی ہے، یہ حالات آج وہاں کے ہزاروں گھروں کے ہیں, جس پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن کے ایک مجسٹریٹ نے کہا، کہ اگر تمام غریب شادی شدہ مرد اپنی بیویوں کو چھوڑ جائیں، تو کل آبادی کا ۷۵ فیصد کم ہو جائے گا۔ جن کو گزارہ الاؤنس دینا پڑے گا۔[65]

مساوات و مردوزن کا اسلامی تصور

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر دین ہے۔اسکا پیغام تمام انسانیت کے لیے ہے۔ اولاد آدم کے درمیان اسلام کی نظر میں قبیلے، شعبے ،رنگ، نسل،،وطن زبان کے حوالے سے کوئی امتیاز فضیلت،بزرگی نہیں، اسی طرح مذکر ومونث ہونا بھی کسی کے لیے برتری وکمتری کا معیار نہیں۔ بلکہ دین اسلام مرد وعورت ہر دو کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔دونوں کے درمیان مساوات قائم کرتا ہے۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً "[66]

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کرکے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔"

مرد و عورت کے مسئلہ میں اسلام کا نقطہ نظر واضح اور صاف ہے،اور انسانی فطرت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔جہاں انسانی فطرت دونوں کے درمیان مساوات چاہتی ہے، تو اسلام دونوں کو یکساں سطح پر لاتا ہے۔اور جہاں خود فطرت امتیاز چاہتی ہے۔ وہاں خود فطرت امتیاز چاہتی ہے وہاں احکام ومسائل میں اسلام دونوں صنفوں میں فرق اور امتیاز قائم کرتا ہے۔ چنانچہ شرف انسانی وایمانی میں دونوں کا درجہ یکساں ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا"[67]

"یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزی دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔"

ان آیات میں جس عزت، فضیلت، بزرگی، تکریم اور عزت انسانی کا ذکر ہے۔وہ مجموعی ہے، مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔

قرآن پاک میں دین و آخرت کی فلاح کا، تقوی کا جو معیار مرد کے لیے مقرر فرمایاہے وہی عورت کے لئے ہے۔اس طرح سے جزا ثواب، جائز و ناجائز، حلال و حرام کے تمام ضابطے مرد و عورت کے لیے یکساں مقرر ہوئے۔کیونکہ دونوں ایک باپ حضرت آدم اور ماں حضرت حوا کی اولاد ہیں۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں صراحۃً ذکر ہے:

”إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا“ [68]

”بیشک مسلمان مرد اور عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنی والی عورتیں، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کرر کھاہے۔“

قرآن کریم نے عبدیت و عبادت میں بلا تفریق اگرمردوں کو مسلمین، مومنین، قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، حافظین کے خطابات دیئے تو اسی کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی مسلمات، مومنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، حافظات اور ذاکرات کے تمغوں سے نوازہ اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دیں۔

اسلام دین فطرت ہے، اس نے دونوں صنفوں کو ان کی فطرت، افتادِ طبع اور مزاج کے مطابق ذمہ

داریاں دی ہیں۔ اس تقسیم سے کوئی نہ تو اول درجہ کا شہری بنتا ہے ۔ انسانی عظمت و شرافت میں، اخلاقی مرتبے میں، روحانی درجات میں، قانونی حثییت میں اور حقوق میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ اور ان کے درمیان یہ توازن اسلام نے قائم کیا ہے۔ اسی مساوات کے سبب تمام مثبت، تعمیری پیداواری، صالح، مفید با مقصد اور خوشگوار اعمال و اشغال میں مرد و عورت برابر کے شریک ہیں۔ لیکن اسکے مقابلے میں فحاشی دروغ، بناوٹ، آرائش وزیبائش، آوارگی کے میدان میں قدم رکھنے کی اجازت، دین اسلام نہ مرد کو دیتا ہے نہ عورت کو۔ اس مساوات کی وجہ سے مرد بھانڈ نہیں بن سکتا، اور عورت رقاصہ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح اسلام نے قطعی طور پر اس امر کا فیصلہ فرمادیا، کہ عورت اور مرد دونوں دینی اور دنیاوی ترقی یکساں طور پر کرسکتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو ثانوی حثییت دینا یا دوسرے درجے کا شہری نہیں بنایا جاسکتا۔

مساوات کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ عورت اور مرد کا دائرۂ کار لازمی طور پر ایک ہی ہو۔ دونوں ایک ہی جیسے کام کریں۔ دونوں پر زندگی کے تمام شعبہ جات کی ذمہ داریاں یکساں طور پر عائد کر دی جائیں۔ اس معاملے میں فطرت نے دونوں پر مساوی بار نہیں ڈالا ہے۔ بقائے نوع انسان کی خدمت میں تخم ریزی کے سوا اور کوئی کام مرد کے سپرد نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ بالکل آزاد ہے۔ زندگی کے جس شعبہ میں چاہے کام کرے، اس کے اس خدمت کا سارا بوجھ عورت پر ڈال دیا گیا ہے۔ اس کے لیے حمل اور مابعد حمل کا پورا ایک سال سختیاں جھیلتے ہوئے گزرتا ہے، جس میں در حقیقت وہ نیم جان ہوتی ہے۔ اس کے لیے رضاعت کے پورے دو سال اس طرح گزرتے ہیں کہ اس پر رات کی نیند اور دن کی آسائش حرام ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے خون سے انسانیت کی کھیتی کو سینچتی ہے۔ اس پر بچے کی ابتدائی پرورش کے کئی سال اس محنت و مشقت سے گزرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی راحت، اپنے لطف، اپنی خوشی اور اپنی خواہشات کو نسل نو پر قربان کر دیتی ہے۔ جب حال یہ ہے تو عدل کا تقاضہ کیا ہے؟ کیا عدل یہی ہے کہ عورت سے ان فطری ذمہ داریوں کی بجاآوری بھی کرائی جائے جن میں مرد اس کا شریک نہیں ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ان تمدنی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اس پر مرد کے برابر ڈال دیا جائے جن کو سنبھالنے کے لیے مرد کو فطرت کی تمام ذمہ داریوں سے آزاد رکھا گیا ہے؟ عورت سے یہ کہا جائے کہ وہ ساری مصیبتیں بھی برداشت کرے جو فطرت نے اس پر ڈالی ہیں اور پھر ہمارے ساتھ آکر روزی کمانے کی مشقتیں بھی اٹھائے۔ سیاست، عدالت، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور قیام امن و

مدافعت وطن کے خدمتوں میں بھی برابر کا حصہ لے! ہماری سوسائٹی میں آکر دل بھی بہلائے اور عیش وعشرت کے سامان بھی فراہم کرے۔ یہ عدل نہیں ظلم ہے اور مساوات نہیں صریح عدم مساوات ہے۔

اسلامی اور مغربی نظریہ کا تقابلی جائزہ

اہل مغرب مساوات و مردوزن میں جس مساوات کے قائل ہیں۔اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوعورت کو یکساں صلاحیتیں اور قوتیں دی ہیں۔جو کچھ مرد کرسکتا ہے بعینہ وہ سب کچھ عورت بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا معاشرہ میں دونوں کا دائرہ کار بھی یکساں ہونا چاہیے اور حقوق و فرائض بھی یکساں ہونے چاہیئں۔مغربی نظریات میں مرد اور عورت معاشرے کے تمام شعبوں میں حقوق کے ساتھ ساتھ ذمہ داریوں میں بھی برابر ہیں۔اس کے برعکس اسلام کے نزدیک دونوں کی صلاحتیں الگ الگ ہیں۔لہذا دونوں کا دائرہ کار بھی الگ الگ ہے۔ہر جنس کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق تمدنی ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ پھر دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اللہ کے ہاں یکساں قدروقیمت اور اجروثواب کے مستحق ہیں۔

مساوات کے یہ دونوں نظریئے اپنی اساس،بنیاد،دائرہ کار اور نتائج میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔جس طرح مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے دونوں کو یکجا نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح مساوات کے دونوں نظریات کو جمع کرنا ناممکن ہے۔اسلام تو مرد اور عورت دونوں کی فطری اور جسمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے معاشرے میں ان کو الگ الگ ایسا دائرہ کار مہیا کرتا ہے۔جس میں کام کرکے وہ بہترین طریقے پر معاشرے کو فائدہ پہنچا سکیں اور تعمیر و تمدن میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔اسکے برعکس مرد و عورت دونوں کو مغربی نظریہ مساوات یکساں صلاحیتوں والا قرار دے کر دونوں کو ایک ہی حثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت اپنی فطری صلاحیتوں کے برعکس دوسرے مقام پر استعمال کی جاتی ہے۔تو اس کا اپنا تشخص اور صحت بھی برباد ہو جاتی ہے۔اور معاشرہ بھی اسکے خراب نتائج سے نہیں بچ سکتا۔اگر عورت فطری حدبندیوں کو توڑ کر مرد کے دائرہ کار میں گھسنے کی کوشش کرے گی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی اپنی بقائے نسل اور خاندانی نظام کے تحفظ کی صلاحتیں تو برباد ہوں گی ہی مگر معاشی اور معاشرتی اضافی کام بھی وہ اچھی طرح نہ کرسکے گی اور لازمی نتیجہ پوری معاشرتی زندگی کے بگاڑ کی شکل میں نمودار ہو گا۔اسلام اس نظریہ مساوات کا بہت سخت مخالف ہے۔ جہاں دونوں اصناف کا ایک ہی میدان کار ہو۔ ہر دفتر،کارخانہ،کھیت،بازار، تعلیم

،پارلیمنٹ ہاؤس، ہوائی جہاز، ہر جگہ شانہ بشانہ دونوں مصروف عمل ہوں اور ان میں کوئی محرم غیر محرم کا امتیاز نہ ہو۔ ایسی مخلوط سوسائٹی میں تو بے حیائی، فحاشی، کا خوفناک طوفان اٹھتا ہے۔ جسے اسلام کسی قیمت پر گوارہ نہیں کرتا، اللہ نے جس کو جو کچھ بنادیا ہے وہ اس پر مطمئن اور قانع رہے، اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہے تو وہ اس کا پورا پورا اجر و معاوضہ اللہ سے وصول کریگا۔ ارشاد ربانی ہے:"وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ " [69]

"اور اس کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے، مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے ان میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔"

اس آیت سے واضح ہورہا ہے۔ کہ عورت اور مرد مرد دونوں ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنے کے بجائے اپنے حصہ کی نعمتوں پر اللہ کے شکر گزار رہیں۔ اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اللہ نے اپنے فیض سے مرد وعورت دونوں کو یکساں فیضیاب کیا ہے۔ اگر مرد کو مادہ تخلیق دیا ہے تو عورت کو ذریعہ تخلیق بنایا ہے۔ اور تعمیر نسل کا فریضہ اسکو دیا ہے۔ اگر مرد حکمرانی و جہانبانی کی صلاحیت رکھتا ہے تو عورت گھر بنانے اور سنوارنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مرد کے اندر اگر سختی، قوت، اور عزیمت کے اوصاف ہیں۔ تو عورت کے اندر دلربائی، دلکشی، شرینی نرمی اور محبت ہے۔ کچھ علوم و فنون سے لگاؤ مرد کو ہے تو کچھ خاص علوم و فنون سے عورت کو بھی فطری مناسبت ہے۔ غرض یہ کہ کارخانہ قدرت اپنی زیب و زینت کے لئے مرد و عورت دونوں کے اوصاف کا یکساں محتاج ہے۔ تمدن ان دونوں کی فطری صلاحیتوں کی ہم آہنگی سے ہی ترقی پزیر ہو سکتا ہے۔ اگر ایک بھی صنف تمدن کی تعمیر میں اپنا اصل رول ادا نہ کرے تو تمدن ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مساوات مرد وزن کا نظریہ ایک دھوکہ ہے۔ اور ایک فریب ہے، جسکی عملی زندگی میں کوئی حقیقت نہیں، فطری روش چھوڑ کر مصنوعی طریقے اپنانے سے انسان بے شمار دنیوی و اخروی نقصانات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور خسر الدنیاوالآخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے۔ مغرب میں عورت کی موجودہ حالت زار بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

مغربی ممالک نے عورت کو آزاد کرکے جو عظیم ترین اور بڑی فاش غلطی کی ہے۔ اس سے انہیں بے شمار سیاسی، تمدنی اور اخلاقی نقصان ہوئے ہیں۔ خود عورتوں کی صنف لطیف پر جو کاری ضرب لگی ہے، صدیوں

تک آئندہ نسلیں بھی اس کی کسک محسوس کرتی رہیں گی۔ مگر سوال یہ ہے، کہ اتنے بے شمار تمدنی و معاشرتی نقصان اٹھانے اور اپنی عفت و آبرو کے آبگینے چور چور کروانے کے بعد کیا عورت نے واقعتاً مساوات حاصل کر لی ہے؟ عملی زندگی میں وہ مرد کے برابر آگئی ہے؟ افسوس کہ اس کا مکمل جواب نفی میں ہے۔ ابھی تک مغرب کے خاندانی نظام میں مرد ہی حاکم ہے۔ اور عورت تین گنا فرائض ادا کرنے کے باوجود مرد کے سامنے مجبور محض ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور میں "عورتوں اور مردوں کے حقوق مساوی ہیں، اس سنہری الفاظ لکھ دینے سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ مرد و عورت کی ذہنی، جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی اختلافات نے ہر جگہ اس مساوات کو عملی طور پر ناکام ثابت کر دیا ہے۔

حواشی

[1] سورۃ الاحزاب:33/36

[2] الولاء والبراء في الإسلام، محمد بن سعيد بن سالم القحطاني ،دار طيبة الرياض، المملكة العربية السعودية، ص:382

[3] الإسلام وحقوق الإنسان في ضوء المتغيرات العالميه، محمد كمال الدين بن محمد العزيز، مجله مجمع الفقه الإسلامى، ص:12

[4] Scott, Joan W. "Deconstruction EqualityVersusDifference: Or, the Uses of Poststructuralist Theory for Feminism." In Conflicts in Feminism, edt Marianne Hirsch and Evelyn Fox Keller. New York: *Routledge*, 1990.

[5] Oxford English Dictionary, 2nd ed., n., "Gender Equality.", (Oxford: Oxford University Press, 2004)

[6] Butler, Judith. Gender Trouble: *Feminism and the Subversion of Identity*. (New York: Routledge, 1990), 41

[7] Butler, Judith, and Joan W. Scott, eds. *Feminists Theorize the Political*. (New York: Routledge, 1992), 63

[8] Internaional Labour Organization, "ABC Of Women Worker's Rights And Gender Equality", Geneva, 2000, 48

[9] World Economic Forum, "The Global Competitiveness Report 2006", Geneva, Switzerland, 12

[10] Jo Freeman, *Women: A Feminist Perspective* (California: Mayfield Pub. Co, 1979), 557

[11] عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین انصر عمری، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹید لاہور، 2009ء، ص:11

[12] اسلام اور عورت، ندوی، عبد القیوم، سویرہ آرٹ پریس لاہور 1952، ص:35

[13] Iwan Bloch, Sexual; Life in England, (England: Read Books Limited, 1934), 63

[14] Kirsten Amundsen, *The Silenced Majority*, 51

[15] Paul B Herton,Gerald R.Lesile, *The Sociology of Science Problem*, , (New Jersey: Prentice Hall, 1991), 228

[16]Richard Grunberger, A Social History of the Third Reich (Minnesota: University of Minnesota Press, 2005), 323
[17]*Encyclopedia Britannica*, v,10, p: 732
[18]Kirsten Amundsen, *The Silenced Majority: The Women and American Democracy*,(The University of Chicago Press ،1971), 8
[19]J.R.Pole, *A Companion to the American Revolution*, (New Jersey: John Wiley and Sons, Limited, 2003), 105
[20]Marian Lowe and Ruth Hubbard, *Women's Nature:* Rationalization of Inequality, (New York: Boston University Press, 1983), 2
[21]David Bouchier, *The Feminist challenge,* (London; Macmillan Press, 1983), 29
[22]Wilson D. Miscamble, *From Roosevelt to Truman: Potsdam, Hiroshima, and the Cold War*, (Cambridge: Cambridge University Press, 2007), 133
[23]میری وولسٹون کرافٹ (Mary Wollstonecraft) (17591797) اٹھارویں صدی کی برطانوی ادیب وفلاسفر تھی جو نسائی نظریات کی بانی تصور کی جاتی ہے۔
[24]Mary Wollstonecraft, *A Vindication of the rights of woman*, 3rd Ed. (London: JJohnson, 166.) 22
[25]Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham , *Modern Women: The lost sex*, (New York: Harper and brother's, 1947), 167
[26]David Bouchier, *The Feminist challenge*,197
[27]Aftab Hussain, *Status of women in Islam,* (University of Michigan, Law publishing Co , 1987), 203
[28]اسلام کا نظریہ تاریخ، محمد مظہر الدین صدیقی، الحمرا آرٹ پرنٹرز لاہور،1979ء، ص:188
[29]Ellen Carol DuBois, *Woman Suffrage and Women's Rights*. (New York: New York University Press, 1998), 176
[30]Judith Wallerstein, *The Unexpected Legacy of Divorce: The 25 Year Landmark Study*.(New York: Hyperion, 2001), 52
[31]شیلا روبوتھم (Sheila Rowbotham)(پیدائش 1943):سوشلسٹ نسائیت پسند اور مصنفہ ہے۔
[32]Kate Webb, "Sheila Rowbotham Interview: Home Economics – The Third Estate". Nothing Is Lost. September, 2011, 4.
[33]European Population Committee of the Council of Europe, Recent Demographic Developments in Europe 2016. Belgiumm, 37
[34]National Center for Health Statistics, "Trends in Attitudes About Marriage, Childbearing, and Sexual Behavior: United States, 2002, 2006–2010, and 2011–2013"
[35]National Center for Health Statistics, "Marriage, Cohabitation, and Men's Use of Preventive Health Care Services" 2016
[36]National Center for Health Statistics, "National Marriage and Divorce Rate, 20002016" Division of Vital Statistics
[37]Laura Duberstein Lindberg and Susheela Singh, "Sexual Behavior of Single Adult American Women," Perspectives on Sexual and Reproductive Health, vol. 40, no. 1 March 2008, 9
[38]*Politico*, "Supreme Court Gay Marriage Decision: Full text of Obergefell Ruling" 2016.
[39]Caroline Bird, *What Women Want: From the Official Report to the President, The Congress and The People of the United States* (New York: Simon and Schuster, 1979), 128.
[40]Caroline Bird, What Women Want: 128
[41]*Family Science*, "Divorce in Europe and the United States: Commonalities and differences across nations" Paul R. Amato a; Spencer James aa Department of Sociology, Pennsylvania State University, University Park, PA, USA

[42] "Births, OutofWedlock." International Encyclopedia of the Social Sciences. .2001
[43]*Brookings*, "An analysis of outofwedlock births in the united states" Policy Brief Series, Washington DC, 2000, 10.

[44]کلائیڈ ای مارٹن (Clyde E. Martin) (19182014)امریکی ماہر جنسیات تھے۔ جنسی رویے پر کینیسی رپورٹ میں الفریڈ کینیسی کے معاون تھے۔

[45]Alfred C. Kinsey, Wardell B. Pomeroy, Clyde E. Martin, Paul H. Gebhard, *Sexual Behavior in the Human Female* (Bloomington: Indiana University Press, 1984), 336.
[46]Stephanie J. Ventura and Christine A. Bachrach, National Vital Statistics Reports, vol. 48, no. 16, October 18, 2000, 9
[47]European Union, "2017 Report on equality between women and men in the EU", Luxembourg, 33
[48]National Center for Health Statistics, "First Premarital Cohabitation in the United States:2006–2010, National Survey of Family Growth "Casey E. Copen, Ph.D.; Kimberly Daniels, Ph.D, Division of Vital Statistics,
[49] U.S. Census Bureau, Current Population Reports, 2015
[50]Kinsey, *Sexual Behavior in the Human Female*, 337.
[51]Weekly, *News Week*, New York, April, 16, 1984, 9.
[52]USA Today, "Study: Teen suicide attempts fell as samesex marriage was legalized". February 20, 2017.
[53]World Development Indicators, The World Bank, 2016
[54]George A. Akerlof and Janet L. YellenThursday, "An analysis of outofwedlock births in the united states", Quarterly Journal of Economics, May, 1996, 11
[55]Kinsey, *Sexual Behavior in the Human Female*, 338.
[56]Carmen SolomonFears, "Nonmarital Births: An Overview," Congressional Research Services Report (2014)
[57]Hugo Mialon and Andrew Francis, "Gay marriage bans increase HIV infections". Druid Hills: Emory University, October 8, 2009.
[58]National Center for Health Statistics, "Monitoring Selected National HIV Prevention and Care Objectives by Using HIV Surveillance Data United States and 6 Dependent Areas, 2016.
[59]World Health Organization, The *European Mental Health Action Plan 2013–2020*, 18
[60]Promoting Health, Preventing Disease : The Economic Case, OECD Liberary, 2015
[61]Bird, *What Women Want*, 129.
[62]UNICEF, "An End to Violence against Children. New York: United Nations Children Fund, 2006, 12
[63]*USA Today*, "Study: Teen suicide attempts fell as samesex marriage was legalized". February 20, 2017.
[64]Health at a Glance: Europe 2016 Mental health problems costing Europe heavily" The Organization for Economic Cooperation and Development (OECD), 2016
[65]Mirza Mohammad Hussain , *Islam and Socialism* , (Lahore; M. Ashraf , 1947), 188

[66]سورۃ النساء:4/1

[67]سورۃ بنی اسرائیل:17/70

[68]سورۃ الاحزاب:33/35

[69]سورۃ النساء:4/32